اقبال اور رجال کشمیر

ڈاکٹر محمد صابر آفاقی

شاہ ہمدان:

امیر کبیر سید علی ہمدانی شاہ ہمدان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ ۷۱۴ھ میں ہمدان میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ اپنے دور کے زبردست عالم، صوفی، مصنف، مصلح اور سیاح تھے۔ آپ تقریباً سات سو ایرانی علماء، صوفیہ اور ہنرمندوں کے ہمراہ ۷۷۴ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ ان ایرانیوں کو وادی میں آباد کر دیا اور خود بدستور سیر و سیاحت کرتے رہے۔ آپ نے تین مرتبہ کشمیر کی سیاحت کی۔ آپ ہی کی کوششوں سے وادی میں ۳۷ ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

سری نگر میں آپ کی خانقاہ ''خانقاہ معلیٰ'' آج تک کشمیری مسلمانوں کا علمی و روحانی مرکز چلی آئی ہے۔ کشمیر کے باشندے آپ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ نے سو کے قریب تصانیف عربی و فارسی میں یادگار چھوڑی ہیں۔ ذخیرۃ الملوک ان کی اہم تصنیف ہے جس میں جہاں بانی و حکمرانی کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

علامہ کو شاہ ہمدان سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اور آپ نے جہاں جاوید نامہ میں ملت کشمیر کو شاہ ہمدان کی زبانی جہاں بانی کا پیغام دیا وہاں ان کو زبردست خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ علامہ نے شاہ ہمدان کو مرشد کشور مینو نظیر کہا ہے اور ان کو میر، درویش، اور مشیر سلاطین قرار دیا ہے۔

حق یہی ہے کہ بقول اقبال کشمیر میں علم، صنعت، تہذیب اور دین حضرت امیر کبیر ہی کی کوششوں سے پھیلا:

خطہ را آں شاہ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

شیخ نورالدین ولی:

شیخ نورالدین کا صوفیائے کشمیر میں بہت بڑا مقام ہے۔ آپ کشمیری شاعری کے بانیوں میں سمجھے جاتے ہیں ۔۷۷۹ھ کو قصبہ کمبوہ کشمیر میں پیدا ہوئے اور ۸۴۲ھ میں وفات پائی ۔ علامہ کے مورث اعلیٰ بابا لولی حج کے مرشد بابا نصرالدین متوفی ۸۵۵ھ شیخ نورالدین کے خلیفہ مجاز تھے۔

یہ تفاصیل تو نہیں مل سکیں کہ حضرت علامہ نے شیخ نورالدین ولی سے کس حد تک استفادۂ معنوی کیا۔ البتہ علامہ کے اپنے بھائی کے نام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شیخ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کیا عجب اگر علامہ نے خودی وخود شناسی کا نظریہ بھی اسی درویش کشمیر اور مرشد روشن ضمیر سے لیا ہو۔ کیونکہ علامہ کا خودی سے متعلق سارا کلام شیخ نورالدین ولی کے اس شعر کی تفسیر وتشریح معلوم ہوتا ہے۔ شیخ نورالدین ولی فرماتے ہیں:

سیدہ ونده رہتھ صاحب گورم

اده پرزه نو وم پنن روه

میں نے علائق کی سب الجھنیں چھوڑ کر خدا کی تلاش کی پھر اپنی حقیقت پہچان لی۔

ملا محمد طاہر غنی:

حضرت ملا سرینگر کے باشندہ اور علوم متداولہ میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ فارسی غزل کا غنی جیسا بڑا شاعر کشمیر نے آج تک پیدا نہیں کیا۔ فلسفہ میں انھوں نے ملا محسن فانی (متوفی ۱۰۸۲ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔

غنی کی تاریخ پیدائش تخمیناً ۱۰۱۹ھ-۱۰۱۵ھ کے درمیان مقرر کی جا سکتی ہے۔۱۰۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان کا فارسی کلام برصغیر پاک و ہند کے علاوہ افغانستان، ایران، ترکی اور وسطی ایشیا میں بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

علامہ اقبال غنی کے ہمیشہ مداح رہے۔ وہ ان کی شخصیت، کردار اور فن سے زبردست متاثر تھے۔ آپ نے جا بجا اپنے کلام میں اشعار غنی کو استعمال کیا ہے۔ غنی کشمیری کے عنوان سے ایک مستقل نظم میں ان کو خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ جاوید نامہ میں علامہ نے غنی کی زبان سے اہل کشمیر کو انقلاب کا پیغام بھی دیا ہے۔

مولانا غلام قادر گرامی کے نام خط میں علامہ مزار غنی کشمیری پر حاضری کا اشتیاق بھی بیان کرتے ہیں۔

مجھے کسی کتاب سے تو شہادت نہیں ملی لیکن یقین ہے کہ ۱۹۲۱ء کے سفر کشمیر کے موقع پر علامہ نے اپنے محبوب و پسندیدہ کشمیری شاعر غنی کے مزار پر حاضری دی ہوگی۔

میاں محمد بخش:

آپ مشہور صوفی اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ میاں صاحب کا تعلق گوجروں کی گوت پسوال سے تھا۔ وہ میرپور آزاد کشمیر کے نزدیک کھڑی شرف میں ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میاں شمس الدین پیرا شاہ غازی (معروف دمڑی والا) کے خلیفۂ مجاز تھے۔ والد کی وفات کے بعد میاں محمد بخش سجادہ نشین ہوئے۔

میاں صاحب چھوٹی بڑی درجن کتابوں کے مصنف ہیں۔ لیکن ان کی صوفیانہ مثنوی سیف الملوک کو پوٹھوہاری زبان کی مثنوی معنوی سمجھنا چاہیے۔ یہ مثنوی پنجاب، سرحد، کشمیر میں بے حد مقبول ہے۔

آپ ۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے اور کھڑی شریف میں دفن ہوئے۔ یہاں ان کا عرس ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔

علامہ کی کسی تحریر سے شہادت نہیں مل سکی کہ ان کو حضرت میاں صاحب سے عقیدت تھی۔ البتہ صاحب زادہ میاں محمد سکندر کی تصنیف عارف کھڑی میں دو واقعے درج ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت میاں محمد بخش نے علامہ کے بڑا آدمی بننے کی بشارت دی تھی اور یہ کہ علامہ سیف الملوک کو سن کر اکثر اشکبار ہو جایا کرتے تھے اور میاں صاحب کے ولی کامل اور شاعر عظیم ہونے کا اقرار فرمایا کرتے تھے۔

میاں محمد بخش نے علامہ کو دیکھ کر کیا کہا تھا۔ اس کی تفصیل ہم عارف کھڑی سے نقل کرتے ہیں:

> ایک مرتبہ آپ شہر لاہور میں قیام پذیر تھے کہ حضرت علامہ اقبال کے والد، جو اولیاء اللہ خاص طور پر حضرت میاں صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے اقبال کو جو اس وقت بچے تھے، لے کر دعا و برکت کے لیے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت میاں صاحب نے اقبال کے سر پر نہایت شفقت و پیار سے ہاتھ پھیرا اور ان کے والد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: یہ بچہ امت محمدی کا ایک نہایت درد مند دل ہوگا۔ اور مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا سرمایہ ثابت ہوگا۔ یہ انتہائی ذہین اور قابل ہوگا اور شعر و سخن کے افق پر آفتاب بن کر چمکے گا۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔
>
> اقبال کے والد محترم نے حضرت میاں صاحب سے عرض کی: یا حضرت یہ بہت ضدی ہے۔ اس پر حضرت میاں نے فرمایا: بڑے لوگ عموماً ضدی ہوا کرتے ہیں۔ آپ لوگ جس چیز کو ضد کہتے ہیں دراصل یہ دوسروں سے اپنی بات منوانے کا جوہر ہوتا ہے۔ یہ ملکہ انھیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے اور آپ

لوگ اسے ضد کا نام دیتے ہیں۔ بچے کی اس بات پر آپ فکرمند نہ ہوں۔ یہ بچہ ایک دن بڑا آدمی بنے گا اور تمام خاندان بلکہ ملت اسلامیہ کی عزت و وقار کا باعث ہوگا۔ آپ اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں۔ اورحضرت اقبال کو کچھ شیرینی دے کر رخصت کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ پیشگوئی کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ دوسرا واقعہ یہ ہے۔ میاں محمد سکندر صاحب لکھتے ہیں:

> تحصیل گوجر خاں علاقہ پوٹھوہار کے (ایک) صاحب جو اب کافی عمر رسیدہ ہو چکے ہیں۔ایام جوانی میں بڑے خوش الحان نعت خواں تھے اور اب بھی حضرت میاں صاحب کا کلام نہایت شوق و درد سے پڑھا کرتے ہیں۔انھوں نے ہمیں بتایا کہ ایک دفعہ لاہور میں جب کہ وہ وہاں ملازمت کے سلسلے میں قیام پذیر تھے ایک جلسے میں نعت خوانی کے لیے بلائے گئے۔ جب وہ سٹیج پر آئے تو دیکھا کہ اقبال بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ ایک اردو نعت پڑھنے کے بعد میں نے حضرت میاں صاحب کی تصنیف سیف الملوك کا کلام پڑھنا شروع کیا...... وہ کہتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب کا کلام پڑھنے کے دوران میں نے دیکھا کہ تمام جلسے پر وجد طاری تھا۔ جب میں نے حضرت اقبال کی طرف نظر کی تو دیکھتا ہوں کہ وہ نہایت غور سے حضرت میاں صاحب کا کلام سن رہے ہیں اوران پر رقت طاری تھی۔ جب میں نے سیف الملوك پڑھنا ختم کیا تو حضرت اقبال نے مجھے پاس بلا کر فرمائش کی کہ تھوڑا اورسیف الملوك سناؤ۔افسوس مصنف سیف الملوك اب اس دنیا میں موجود نہیں ورنہ میں ان کے ہاتھ چومتا۔

جب میں نے حضرت علامہ اقبال پر حضرت میاں صاحب کے کلام کا یہ اثر دیکھا تو ہمت کر کے آپ سے عرض کی۔ جناب اگر پسند کریں تو کچھ اور شعر سیف الملوك کے سناؤں۔اس پر حضرت علامہ اقبال نے فرمایا کہ ضرور ضرور سناؤ۔ اس کے بعد جب میں نے اہل جلسہ کی طرف نگاہ کی تو میں نے محسوس کیا کہ اہل جلسہ کے دلوں میں بھی حضرت میاں صاحب کے کلام سے ایک عجیب تڑپ پیدا ہوگئی ہے اور ان کی تشنگی ابھی باقی ہے۔ پھر میں نے حضرت میاں صاحب کے مزید اشعار پڑھے۔

اشعار پڑھنے کے بعد میں نے حضرت اقبال کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں پرنم تھیں اور پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے فرما رہے تھے کہ حضرت میاں صاحب کے کلام میں انتہا کا سوز ہے۔

علامہ اور میاں صاحب دونوں مولانا رومی کو اپنا مرشد معنوی مانتے ہیں۔ دونوں نے ہمت وشجاعت کا پیغام دیا ہے اور سعی و کوشش کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اگر کلام اقبال اور سیف الملوك کا تقابلی مطالعہ کی جائے تو بعض اشعار کا مفہوم میاں صاحب کے بعض اشعار کے مفہوم سے ملتا جلتا ہے۔ چونکہ دونوں صاحب دل بزرگ تھے اس لیے اگر ان کی پرواز تخیل میں یکسانیت پائی جاتی ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ بطور مثال یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

بال چراغ عشق دا میرا روشن کر دے سیناں
دل دے دیوے دی روشنائی جاوے وچ زیناں

[میاں محمد بخش]

عشق کا چراغ جلا کر میرا سینہ روشن کر دے۔ میرے دل کے چراغ کی روشنی دور دور تک پھیلے۔

خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نور بصیرت عام کر دے

[اقبال]

دل وچ کرے دلیل شہزادہ کی کم کر سن تارے
آپ تخت تو ڈھیندے جاندے ہو غریب بیچارے

[میاں محمد بخش]

شہزادہ دل میں سوچ رہا تھا کہ تارے مجھے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو خود ہی مجبور اور بے بس ہو کر ٹوٹتے اور گرتے ہیں۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں

[اقبال]

مولانا محمد انور شاہ کشمیری:

لولاب کشمیر کا مشہور خطہ ہے۔ علامہ نے وادی لولاب کو مخاطب کر کے ایک نظم کہی ہے۔ مولانا انور شاہ اسی وادی کے گاؤں ودوان میں ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسلامی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے احادیث کی کتابیں پڑھیں۔ آپ نابغۂ روزگار تھے اور قابل رشک ذہانت کے مالک تھے۔ آپ دیوبند میں دس سال تک صدر المدرسین رہے۔ عربی میں کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں اور متعدد کتب پر حواشی تحریر کیے ہیں۔ مغلوں کے بعد کشمیر نے اتنا بڑا عالم و مصنف پیدا نہیں کیا۔ آپ کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا۔

علامہ اقبال کو مولانا انور شاہ سے بڑی ارادت تھی۔ آپ نے دو بار مولانا سے ملاقات کی تھی اور خط و کتابت کے ذریعے بھی آپ فلسفہ کے مشکل مسائل سے متعلق استفسار کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی روایت ہے کہ جب ۱۹۲۱ء میں جمعیت علمائے ہند کا جلسہ لاہور میں منعقد ہوا تو

حسن اتفاق سے اس جلسے میں راقم کی معرفت اقبال کا تعارف حضرت انور شاہ سے ہوا۔

۱۹۲۵ء میں انجمن خدام الدین (لاہور) کا جلسہ ہوا تو مولانا نے بھی اسی میں شمولیت فرمائی۔ علامہ نے اس موقع پر آپ کے دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ علامہ کا اصل رقعہ یہ ہے:

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ مولانا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مجھے ماسٹر عبداللہ سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں...... مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

معلوم نہیں مولانا علامہ کے ہاں کھانا کھانے تشریف لے گئے یا نہیں تاہم اس رقعہ سے ایک تو علامہ کی کیفیت کا بخوبی اظہار ہو جاتا ہے اور دوسرے کہ دونوں عظیم فرزندان کشمیر کے پہلے سے ہی تعلقات استوار ہو چکے تھے۔

علامہ نے مولانا سے مشکلات فلسفہ خاص کر کے زمان و مکان اور حدوث وقدم کے مباحث میں خاطر خواہ استفادہ کیا تھا۔

نفحۃ العنبر کے مولف مولانا محمد یوسف بنوری کا کہنا ہے کہ علامہ نے ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء) میں لاہور میں ملاقات کی اور مشکلات قرآن اور دقائق فلسفہ پر سوال کر کے اطمینان بخش جواب سنے تھے۔

مولانا محمد قادری لائل پوری لکھتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ نے ان سے فرمایا کہ کسی مولوی نے مجھ سے اقبال سے بڑھ کر استفادہ نہیں کیا۔

❁....❁....❁